

تصور عبادت

[یہ مصنف کی طبع شدہ کتاب ”اسلامی عبادات: تحقیقی مطالعہ“ کا ایک جز ہے۔ قارئین ”اشراق“ کے افادے کے لیے اس کتاب کے جملہ بابا بحث بالاقساط شائع کیے جا رہے ہیں۔]

مسلمانوں نے ایک طویل عرصہ سے دو نظریوں کی طرح عبادت کو پرستش کا ہم معنی سمجھ لیا ہے جو ایک بڑی غلطی ہے اور اس کے نتائج مہلک ہیں، اس لیے ہم نے ضروری خیال کیا کہ عبادات ثلاثہ پر گفتگو سے پہلے چند بڑے مذاہب کے تصور عبادت کے ساتھ اسلام کے وسیع اور جامع تصور عبادت کا ذکر کیا جائے، تاکہ اسلامی عبادت کے امتیازات واضح ہوں اور مسلمانوں کو بھی معلوم ہو کہ ان کی موجودہ عبادتیں اسلام کے تصور عبادت سے کس حد تک موافقت رکھتی ہیں اور عجمی تصور عبادت کے اثرات کہاں کہاں اور کن صورتوں میں موجود ہیں۔

ہندو مذہب میں عبادت

ہندو مذہب میں عبادت کا مروجہ تصور بہت محدود اور بڑی حد تک مشرکانہ ہے یعنی مورتی پوجا اور بعض مذہبی رسوم کی ادائیگی۔ ایسا نہیں کہ ان کی مذہبی کتابوں میں توحید کا تصور ہی موجود نہیں ہے۔ بعض کتابوں میں آج بھی توحید کی تعلیم ملتی ہے اور ان میں واضح لفظوں میں مورتی پوجا کی ممانعت کی گئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

”اس ہستی کی کوئی مورتی یا تصویر نہیں، اس کا نام ہی سراپا تعریف ہے۔“ (یجر وید: ۳۳: ۳۲)

”وہ ایک ہی ہے، اسی کی عبادت کرو۔“ (رگ وید: ۱۶: ۴۵۶)

”یہ تو رہی اول ہے اور تمام مخلوقات کا اکیلا مالک ہے، وہ زمین اور آسمانوں کا مالک ہے۔ اسے چھوڑ کر تم کون

سے خدا کو پوج رہے ہو۔“ (رگ ویدا: ۱۰: ۱۲۱)

توحید کی یہ تعلیم ان کی فلسفیانہ مذہبی کتاب اپینشد میں ان لفظوں میں موجود ہے: اکیم برہم دوستیہ ناستے۔ نیہ۔ نا۔ ناستے کچن ”ایک ہی خدا ہے، دوسرا نہیں ہے، نہیں ہے، ذرا سا بھی نہیں ہے۔“ اس معاملے میں ہندو فلاسفہ اس حد کو پہنچ گئے کہ انھوں نے صفات سے انکار کر دیا (ٹیٹی ٹیٹی) کہ اس سے خدا کی وحدت متاثر ہوتی ہے۔

ان متزیہی تصور خدا کے باوجود ان کا یہ خیال ہے کہ خدائے واحد اس کائنات مادی سے ماورائے نہیں بلکہ اس میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اس تصور کے مطابق کائنات کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں اس کے مظاہر کی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے ان کی پرستش دراصل خدا ہی کی بالواسطہ عبادت ہے۔ پوچھا گیا کہ فی الحقیقت کتنے خدا ہیں؟ سبجا والکیہ نے کہا ”ایک“ اچھا تو بتاؤ کہ اگنی، وایو، آدیتیا، کال (وقت) پران (سائنس) آن (غذا)، برہما، رودرا اور وشنو میں سے ہر ایک کی کچھ لوگ اُپاسنا کرتے ہیں، ان میں سب سے اچھا معبود کون ہے؟ اس نے جواب دیا ”یہ سب جن کا ذکر ہوا دراصل اعلیٰ، غیر فانی اور غیر مادی حقیقت (برہمن) کے مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے حقیقت اعلیٰ ہی کا دھیان رکھنا چاہیے البتہ اس کے جو مظاہر ہیں ان کی بھی آدمی عبادت کر سکتا ہے اور ان کو چھوڑ بھی سکتا ہے۔“

اس خیال یعنی ہمہ اوست کے نظریے نے ان کو پہلے مظاہر پرستی اور پھر اصنام پرستی کی منزل تک پہنچایا اور آج ہندو قوم کی اکثریت شرک کی مختلف انواع میں گمراہ ہے۔ مرئی اور غیر مرئی ہر قوت ان کی نظر میں معبود کا درجہ رکھتی ہے اور اس طرح ان کے معبودوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے۔ ہندوؤں (آریہ سماجیوں کی ایک مختصر جماعت کو چھوڑ کر) کے نظام عبادت میں مورتیوں کے سامنے سر جھکانا، نذر و نیاز چڑھانا، تالی پیٹنا اور مندر کی گھنٹی بجانا وغیرہ جیسے رسوم داخل ہیں۔ ہندوؤں کی عبادت کے بعض طریقے عہد نبوی کے مشرکین کے عبادتی طریقوں سے بہت کچھ

۱۔ انڈین فلاسفی، ڈاکٹر ادھا کرشنن، ج ۱ ص ۱۴۴۔

۲۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ اسی خیال کی بدلی ہوئی شکل وحدت الوجود کا نظریہ ہے جو ماضی میں طبقہ مصوفیاء میں کافی مقبول رہ چکا ہے اور آج بھی اس کے کچھ اثرات بعض مذہبی حلقوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب ”وحدت الوجود، ایک غیر اسلامی نظریہ“۔

۳۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سوسوتی (۱۸۲۴-۱۸۸۳) تھے۔ انھوں نے ۱۸۷۵ء میں اس اصلاحی تحریک کا آغاز کیا تاکہ ہندو سماج کی اصلاح ہو۔ وہ مورتی پوجا کے سخت خلاف تھے اور صرف ویدوں کو الہامی کتاب مانتے تھے۔

۴۔ مورتیاں دراصل دیوتاؤں کی شبیہیں ہوتی ہیں۔ دیوتا کے معنی زائیدہ نور کے ہیں اور اس سے مراد نوری مخلوق یعنی فرشتے ہیں۔

ملتے جلتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً
تالی پینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔“
(سورہ انفال ۳۵)

شُرک سے ہندو ذہن کی غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے تیرتھ استھانوں کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان کی زیارت کو ذریعہ نجات خیال کیا جاتا ہے۔ ایک ہندو مؤرخ لکھتا ہے:

”جو دھیا سے زیادہ کوئی مقام متبرک نہیں ہے۔ اس شہر کے باشندے تمام گناہوں سے پاک ہیں۔ جو شخص یہاں آکر درشن کرتا ہے یا یہاں آنے کا ارادہ اپنے دل میں کر لیتا ہے تو اس کو اور اس کے بزرگوں کو نجات کی دولت مل جاتی ہے۔ اور جو کوئی اس سفر کے لیے کسی کو زرنقدی یا سواری دیتا ہے تو اس کو جگ اسمید کا ثواب ملتا ہے اور وہ اور اس کی اولاد بیوان پر چڑھ کر بہشت کو جاتی ہے۔“

(تاریخ جو دھیا، مصنفہ کنورہ رگا پرشاد (تعلقہ دار ریاست سروین، بڑا گاؤں) ص ۹)

اسی مؤرخ نے مزید لکھا ہے کہ:

”سرگدوار دریائے سر جو پر ۳۱۸ گز تک محدود ہے۔ یہ مقام دنیا بھر سے متبرک ہے۔ جو شخص یہاں مرتا ہے ہزار جنم کے گناہ اس کے معاف ہو جاتے ہیں اور اس کو لوگوں سے نجات مل جاتی ہے۔“

(تاریخ جو دھیا، مصنفہ کنورہ رگا پرشاد (تعلقہ دار ریاست سروین، بڑا گاؤں) ص ۱۵)

اہل ہندو یہی عقیدہ دریائے گنگا کے بارے میں رکھتے ہیں کہ اس میں نہانے سے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ ہندوؤں کے تصور عبادت کی دوسری نمایاں خصوصیت ترک دنیا اور نفس کشی ہے۔ ان کا سب سے بڑا عابد وہ شخص ہے جو دنیا چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا بسے اور وہاں اپنی تمام خواہشات کو فنا کر کے ایشور کی تپسیا کرے۔ ایسے لوگ جوگی کہلاتے ہیں یعنی خدا رسیدہ۔ ڈاکٹر برنیئر لکھتا ہے:

۵۔ الہ آباد (یوپی) میں دریائے گنگا کے کنارے مہاکبھ کا جو میلہ ہوتا ہے اس میں ہندو اسی خیال کے تحت کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

۶۔ تپسیا، مراقبہ کی صورت میں ہوتی ہے، اور اس میں مظاہر کی پرستش بھی شامل ہے۔

۷۔ Francois Bernier ایک فرانسیسی سیاح تھا جو سترہویں صدی میں ہندوستان آیا۔ اس کا سفر نامہ Travels in the Mughal Empire, Archibald Constable London, 1891 A.D کے نام سے چھپ چکا ہے اور ”وقائع سیر و سیاحت“ کے نام سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

”یہ لوگ ایسے عجیب طور پر زندگی بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اس کو بیان کروں تو مجھے شک ہے کہ آیا اس پر کوئی اعتبار کرے گا۔ خصوصاً میرا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں اور جس کے معنی ہیں خدا سے ملا ہوا۔ بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن تالاہوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے اردگرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کیے پیٹھے یا پڑے رہتے ہیں۔ بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی ہیں۔ بہت سے جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کواٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخنوں کو اس قدر بڑھاتے ہیں کہ بڑھ کر مڑ جاتے ہیں۔ ان کے بازو سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کی وجہ سے مزمن بیماریوں میں مبتلا اشخاص کی طرح سوکھ کر نہایت دبلے پتلے ہو جاتے ہیں اور رگوں اور پٹھوں کے خشک اور سخت ہو جانے کے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر ان سے کچھ منہ میں ڈال سکیں۔ ان فقیروں کے پاس ان کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو ان کو نہایت ہی مہاتما سمجھ کر ان کا بڑا ادب کرتے ہیں۔“ (وقائع سیر و سیاحت (سفر نامہ برنیر) ج ۲، ص ۱۹۰)

وہ مزید لکھتا ہے:

”بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشن ضمیر اور کامل جوگی ہیں اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں۔ ان کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہ فقیر راہبوں کی طرح آبادی سے دور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ اگر کوئی شخص ان کو بھوجن لا کر دے دے تو لے لیتے ہیں اور اگر کوئی نہ لائے تو عوام کے خیال کے مطابق یہ مہاتما لوگ بھوجن کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہ مقدس لوگ اکثر مراقبہ کی حالت میں رہتے ہیں۔ ان کا اذعا ہے، اور ایک فقیر نے خود مجھ سے کہا، کہ ہماری روحیں گھنٹوں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں، ہمارے ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں اور ہم کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل بیان سفید اور چمکدار نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہم کو دنیا کے بکھیڑوں سے بالکل نفرت ہو جاتی ہے اور سرور خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہو جاتے ہیں جو ناقابل بیان ہے۔“

(وقائع سیر و سیاحت (سفر نامہ برنیر) ج ۲، ص ۱۹۷)

یہ ٹھیک اسی قسم کی رہبانیت ہے جو عہد تارک الدنیا میں عیسائی رہبان کی خصوصیت رہی ہے۔ ہندو عبادت کی تیسری نمایاں خصوصیت مشرکانہ اعمال و رسوم کی کثرت ہے اور آج بھی یہ صورت برقرار ہے۔ ۲۰۰۲ میں گجرات میں خشک سالی کی وجہ سے لوگ کافی پریشان تھے۔ چنانچہ بارش دیوتا کو خوش کرنے کے لیے صوبے کے مختلف مقامات پر مختلف قسم کی مشرکانہ رسوم انجام دی گئیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"The government may not have given any directive this time round. but

various organizations all over the state are praying for a revival of the monsoon. people are resorting to all sorts of methods to solicit divine intervention to avoid a drought. In Vadodra, plans are underway to bathe an elephant, in Rajkot a round-the-clock Yagna is going on, in Ahmedabad farmer leaders have forsaken food to bring in the elusive showeres. People in Saurashtra and kutch are offering prayers, performing Yagna and chanting Ram Dhun to appease the Rain God. The Maharashi Dayanand Sarswati Smarak Trust at Tankara has launched vrusthi Yagna. About 150 students have been chanting vedic mantras continuously for a week from Monday. And from Friday on wards, the chanting has gone round-the-clock. The mahant of the jagannath temple said: "In a way, it is saying sorry for any misdeed that could have upset God." The Shiv Sena has also organized a varun Yagna at Kutiyana on Sunday. Rituals will be performed at Junagadh, Morbi, Bhayavadar, Veraval and porbunder. Even the Vadodara Municipal Corporation;s water supply committee and the Satyam Shivam Sundaram Samiti conducted parjanya Yagna - a ceremony where an elephant well be bathed with pomp and fanfare while a group of Brahmins will invoke Lord Indira."

(Sunday, The Times of India, New Delhi, August 4, 2002, p.6)

ہندوؤں کے تصور عبادت میں خدا (بھگوان، برہما) کے احکام و ہدایات کی تعمیل کا کوئی تصور نہیں ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں گیان (معرفت) کو کرم (عمل) پر فوقیت حاصل ہے۔ خدمت خلق کا تصور بھی غیر واضح ہے گو کہ دوسرے مذاہب کی طرح خیرات (دان پن) کو اس مذہب میں بھی اہمیت دی گئی ہے۔

یہودی مذہب میں عبادت

یہودی مذہب میں عبادت کا مفہوم بہت واضح ہے، یعنی خدائے واحد کی پرستش تورات میں فرمایا گیا ہے: ”تم اپنے لیے بتوں کو یا کسی ترشی ہوئی مورت کو نہ بناؤ اور نہ پوجنے کی لاث کو کھڑا کرو اور نہ اپنے لیے کوئی صورت دار پتھر اپنے ملک میں قائم کرو کہ اس کے آگے سجدہ کرو اس لیے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔“

۱ زبور مکمل طور پر خدائے واحد کی حمد و ستائش پر مشتمل ہے۔

(کتاب احبار، باب ۲۶/۱)

تورات کے اس صریح حکم کے باوجود یہود اپنی تاریخ کے ہر دور میں شرک جلی یعنی اصنام پرستی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا پس ان لوگوں کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں سے لگے بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا، اے موسیٰ، ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود (مجسم) مقرر کر دیجیے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا، بلاشبہ تم

(سورہ اعراف ۱۳۸)

سخت نادان لوگ ہو۔“

موسیٰ علیہ السلام کی حیات ہی میں یہودیوں نے گوسالہ پرستی کی جس کا ذکر قرآن نے ان لفظوں میں کیا ہے: ”وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجَلًا حَسَدًا لَهُ خُورٌ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَ كَانُوا ظَالِمِيْنَ . (سورہ اعراف ۱۴۸)“

”اور موسیٰ کی قوم نے اس کے (کوہ طور پر چلے جانے کے) بعد اپنے زیوروں سے ایک مجسم بچھڑا بنا لیا، اور اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کرتا تھا اور نہ ان کی رہنمائی کرتا تھا (لیکن اس کے باوجود) انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ (یقیناً) ظالم (مشرک) تھے۔“

قوم یہودی کی اس بت پرستانہ ذہنیت کا ثبوت تورات میں بھی موجود ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد کے ادوار میں بھی اصنام پرستی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ کتاب یسعیاہ میں ایک جگہ بیان ہوا ہے:

”وہ اہل مشرق کے رسوم سے پر ہیں اور فلیتوں کی مانند شگون لیتے ہیں... ان کی سر زمین بتوں سے پر ہے۔ وہ

اپنے ہی ہاتھوں کی صنعت یعنی اپنی انگلیوں کی کاریگری کو سجدہ کرتے ہیں۔“ (کتاب یسعیاہ، باب ۶۷/۲-۸)

یہودیوں کا مذہبی طبقہ گو کہ بت پرستی سے کنارہ کش رہا لیکن عبادت میں ریا اور نمود کے مرض سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کے علاوہ انہوں نے جو نظام عبادت وضع کیا اس میں عبادت کے خارجی اعمال و رسوم اور بزرگان سلف کی روایات کی پاس داری پر بہت زیادہ زور دیا گیا اور اسی چیز نے رفتہ رفتہ عبادت کے مقصود یعنی تزکیہ نفس کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہودیوں کے مذہبی طبقہ کا جو حال زبوں تھا وہ انجیل

کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:

”اے ریاکار فقیہو اور فریسیو (یہودی علماء و فقہاء) تم پر افسوس کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہو۔ تمہیں زیادہ سزا ہوگی۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ پودینہ، سونف اور زیرہ پر تودہ کی دیتے ہو لیکن شریعت کی زیادہ اہم باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو! مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم پیالے اور رکابی کو اوپر سے خوب صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور نا پر ہیز گاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کرو تا کہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردہ کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔ اسی طرح بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو لیکن باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔“ (متی باب ۲۳: ۲۰-۲۸)

یہودیوں میں ظواہر عبادت پر اصرار کا ایک بڑا سبب مذہبی احکام و شرائع کی کثرت ہے جس کی وجہ سے مقصود عبادت سے ان کی نظر ہٹ گئی۔ مثلاً ان کے ہاں جانوروں کی قربانی ایک بڑی عبادت ہے۔ کتاب احبار کے بالکل شروع میں سوختنی قربانی کے متعلق فرمایا گیا ہے:

”اگر اس کی قربانی، سوختنی قربانی، گائے بیل سے ہو تو بے عیب نہ لائے۔ جماعت کے خیمے کے دروازے پر اپنے مقبول ہونے کے لیے خداوند کے آگے لائے اور وہ سوختنی قربانی کے سر پر اپنا ہاتھ رکھے کہ اس کے لیے قبول کی جائے اور اس کے لیے کفارہ ہو۔ اور وہ اس بیل کو خداوند کے حضور ذبح کرے اور کاہن، جو بنی ہارون ہیں، لہو کو لائیں اور اس کو مذبح پر ہر طرف جو جماعت کے خیمے کے دروازے پر ہے، چھڑکیں۔ تب وہ اس سوختنی قربانی کی کھال کھینچے اور اس کو عضو عضو جدا کرے۔ پھر ہارون کاہن کے بیٹے مذبح پر آگ رکھیں اور اس پر لکڑیاں ترتیب سے چنیں اور بنی ہارون جو کاہن ہیں، اس کے عضووں کو اور سر اور چربی کو ان لکڑیوں پر جو مذبح کی آگ پر ہیں، ترتیب سے رکھ دیں، اور وہ اس کے اوجھ اور پاؤں کو پانی سے دھوئیں اور کاہن سب کو مذبح پر جلانے کے سوختنی قربانی یعنی خوشبو آگ سے، خداوند کے لیے۔“

(احبار، باب ۱: ۹-۱۰) (کتاب احبار میں زیادہ تر قربانی کے احکام مذکور ہیں۔)

یہودی سمجھتے تھے کہ قربانی کا گوشت جلانے سے جو خوشبو نکلتی ہے اس سے خدا خوش ہوتا ہے جیسا کہ کتاب احبار کی مذکورہ بالا عبارت کے آخری جملہ سے بالکل ظاہر ہے۔ یہ ایک بالکل سطحی اور طفلانہ تصور عبادت تھا۔ بعض احادیث

سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں میں ظواہر عبادت پر زور زیادہ تھا۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم نماز پڑھو تو تہ بند باندھ لیا کرو یا چادر اوڑھ لیا کرو، یہودیوں کی طرح (نگلے) نماز نہ پڑھو۔ ”نماز میں یہودیوں کی طرح نہ جھومو“، ”تم یہودیوں کے برخلاف نماز میں موزے اور جوتے پہنے نہ رہو“، ”میری امت میں اس وقت تک دین کا کچھ نہ کچھ اثر رہے گا جب تک لوگ یہودیوں کی تقلید میں مغرب کی نماز میں ستاروں کے نکلنے کا اور عیسائیوں کی تقلید میں صبح کی نماز میں ستاروں کے ڈوبنے کا انتظار نہ کریں گے“۔

ظواہر عبادت پر زیادہ زور دینے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی عبادت میں اخلاص و اللہیت کے بجائے ریاء و نمود داخل ہو گیا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہودی علماء عوام کو دکھانے کے لیے لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے۔ ان کے روزے بھی اس خرابی سے محفوظ نہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا:

”پھر جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ (یہود) اپنا منہ بگاڑتے ہیں کہ لوگوں کے نزدیک روزہ دار ٹھہریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا بدلہ پانچے۔ پر جب تم روزہ رکھو تو اپنے سر میں تیل لگاؤ اور منہ دھوؤ تاکہ تم آدمیوں پر نہیں بلکہ اپنے باپ پر جو پوشیدہ ہے، روزہ دار ظاہر ہو، اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے، تجھ کو آشکار بدلہ دے۔“ (متی، باب ۶: ۱۶-۱۸)

یہودیوں کے تصور عبادت میں ترک دنیا اور نفس نشی کا کوئی عنصر نہیں ملتا اور یہ بظاہر ایک خوبی معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل اس کی وجہ زرتی اور دنیا کی زندگی سے ان کا غیر معمولی لگاؤ ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ان کا ہر آدمی ہزار سال تک زندہ رہنا چاہتا ہے (سورہ بقرہ: ۹۶) انجیل میں ہے کہ ایک بار ایک یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ابدی زندگی کے حصول کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے اس کو بعض دینی احکام پر عمل کی ہدایت کی۔ اس نے کہا، میں تو ایک مدت سے ان حکموں پر عمل پیرا ہوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا تو کامل بننا چاہتا ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا، جاؤ اور اپنی کل دولت اور سب مال و متاع بیچ کر میرے پیچھے آ لگو۔ یہ سن کر وہ غمگین ہوا کہ دولت مند تھا۔

۹ کنز العمال، ج ۴، ص ۷۲۔

۱۰ کنز العمال، ج ۴، ص ۱۱۲۔

۱۱ کنز العمال، ج ۴، ص ۱۱۴۔

۱۲ متی باب ۶: ۶، ۷۔

عیسائی مذہب میں عبادت

عیسائیوں کے تصور عبادت میں شرک پوری طرح دخیل ہے۔ اور یہ شرک نظری اور عملی دونوں طرح کا ہے۔ عیسائیوں کی اکثریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور لارڈ (رب) قرار دیتی ہے۔ شاہ قسطنطین (۳۰۶ء-۳۳۷ء) کے عہد میں نیقا کے مقام پر ۳۲۵ء میں تمام چرچوں کی جنرل کونسل میں عیسائیوں کا جو متفق علیہ عقیدہ قرار پایا وہ یہ تھا:

”ہم خدائے واحد پر ایمان رکھتے ہیں یعنی باپ پر جو مقتدر اعلیٰ ہے، جو تمام مرنی اور غیر مرنی اشیاء کا خالق ہے، اور آقا (لارڈ) عیسیٰ مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو خدا کا بیٹا ہے، جو باپ سے پیدا ہوا، اور ایک ہی ہے جو باپ سے پیدا ہوا، جس کا جوہر باپ کے جوہر کی طرح ہے۔ خدا سے خدا، روشنی سے روشنی، خدا سے سچا خدا، ساختہ نہیں آفریدہ۔ خدا کے جوہر سے متحد، جس کے ذریعہ تمام اشیاء خلق ہوئیں خواہ وہ اشیاء آسمان میں ہوں یا زمین میں، جو ہماری نجات کے لیے آسمان سے نیچے آیا، جسدی ظہور ہوا، آدمی بنا، دکھ سہے اور تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان کی طرف صعود کر گیا۔“ (اے شارٹ ہسٹری آف آئرلینڈ اور ایچ ایس ایس (۸۹ ص)

اس عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیوں نے خدا کے ساتھ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شریک عبادت کر لیا۔ یہ شرک صرف دعا اور طلب حاجات تک محدود نہ تھا بلکہ کھلی بت پرستی (Image Worship) تک پہنچ گیا۔ مسیحی روما کے کلیساؤں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے مجسمے نصب تھے اور دیواریں ان کی تصاویر سے آراستہ تھیں اور ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس بت پرستی کے خلاف جب بھی حکومت کی طرف سے آواز بلند ہوئی تو اس کی مخالفت سب سے زیادہ پادریوں اور راہبوں نے کی۔ ایک عیسائی مورخ ان کی بت پرستی کے متعلق لکھتا ہے:

”مشرق میں رومن بادشاہ (Leo the Isavian) کو یقین تھا کہ اللہ نے مذہب اسلام کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ وہ بت پرست عیسائیوں کو مزادے جو تمثال اور مقدس آثار کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام چرچوں میں تصاویر اور مجسموں کو توڑ دیا جائے۔“ (اے شارٹ ہسٹری آف آئرلینڈ، ص ۱۵۷)

اس شرک میں عیسائیوں نے اپنے اولیاء (عیسائی رہبان) کو بھی شریک کر لیا تھا۔ راہبوں میں سے جو راہب اپنے روحانی کمالات میں زیادہ شہرت حاصل کر لیتا اس کے متعلق عیسائی یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ صاحب کشف و کمال ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے پاس اپنی حاجتیں لے کر جاتے اور وہ ان سے نذریں لے کر یقین دلاتا

۱۳ تفصیل کے لیے دیکھیں: ہسٹری آف انٹیکلچرل ڈویلپمنٹ آف یورپ، جان ولیم ڈریپر، ج ۱، ص ۲۰۵ تا ۲۱۲۔

تھا کہ ان کی حاجتیں پوری ہو جائیں گی۔ بعد کے ادوار میں ایسے راہبوں کے مقابر پر عیسائی جوق در جوق جمع ہوتے اور ان کو صاحب اختیار سمجھ کر ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے۔ ان کے مقابر سجدہ گاہ بن گئے تھے۔ قرآن مجید میں عیسائیوں کی اولیاء پرستی کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے:

”انھوں نے اللہ کے سوا اپنے فقیہوں اور راہبوں کو
 اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ
 دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا
 إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
 سُبْحَانَہٗ عَمَّا يُشْرِكُونَ. (سورہ توبہ ۳۱)
 رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انھیں صرف
 ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا
 کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ
 شریک ٹھہراتے ہیں۔“

عیسائیوں کے تصور عبادت کی دوسری نمایاں خصوصیت رہبانیت یعنی ترک دنیا اور نفس کشی ہے۔ اس معاملے میں عیسائی راہب اور ہندو جوگی یکساں ہیں۔ یورپ کے عہد تاریک (1000-400) میں اس تصور نے ناقابل بیان حد تک فروغ پایا۔ عیسائی مورخ ڈی سمرویل لکھتا ہے:

”عیسائیت نے زہد و تقویٰ کے لیے ترک دنیا کو لازمی قرار دیا۔ عیسائی راہبوں کے نزدیک ازدواجی زندگی اور والدین جیسے دنیوی علائق سے زہاواہ اہم چیز خود اپنی زندگی اور نفس کا تزکیہ تھا۔ چنانچہ اس تصور کے تحت وہ انسانی آبادیوں سے نکل کر جنگلوں، پہاڑوں اور دوسرے مقامات پر جانے لگے، ایک دو کی تعداد میں نہیں، ہزاروں کی تعداد میں۔ ان مقامات پر وہ نہایت فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے، گندی حالت میں رہتے اور بیماریوں کو دیدہ و دانستہ دعوت دیتے تھے سینٹ ایسوبیوس (St. Eusebius) تین سال تک ایک خشک کنویں میں مجموعاً عبادت رہے۔ سینٹ سبینوس (St. Sabinus) صرف موٹے اناج پر جو مہینوں پانی میں بھیگ کر سڑ جاتے تھے، زندگی گزارتے تھے۔ سینٹ بساریان (St. Basarion) نے چاردن اور چار راتیں کانٹوں کی جھاڑی کے درمیان گزاریں۔

اس نفس کشی کی سب سے بھیا تک مثال سینٹ سمیان (St. Simeon) کی ہے۔ انھوں نے اپنے جسم کو رسیوں سے اتنا کس کر باندھ لیا تھا کہ یہ رسیاں ان کے گوشت میں بیوست ہر کر سڑ گئیں۔ ان کے جسم سے اتنی سخت بدبو آتی تھی کہ کوئی شخص ان کے پاس کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ حرکت کرتے تو ان کے جسم سے کیڑے گرتے تھے۔ انھوں نے ۶۰ فیٹ اونچا ایک مینار بنوایا تھا جس کا محیط ایک گز تھا۔ اس مینار پر وہ تیس سال تک ہر قسم کے موسم میں مجموعاً عبادت رہے۔ یہی عیسائی ولی ایک سال تک ایک پیر پر کھڑے رہے اور دوسرے پیر کو جس میں قرح تھا ڈھانک

رکھا تھا۔ جب کوئی کیڑا اس زخم سے گر جاتا تو ان کا سواخ نکار جوان کے پاس ہی رہتا تھا اس کو اٹھا کر دوبارہ زخموں میں رکھ دیتا تھا اور یہ فقیران کیڑوں سے کہتا: کھاؤ جو خدا نے تم کو دیا ہے۔ اس عیسائی ولی کا جب انتقال ہوا تو دین عیسوی کے ماننے والوں اور ان کے علماء مجتہدین کا ایک ہجوم ان کے جنازے میں شریک ہوا اور ہر شخص کی زبان پر یہی صدا تھی ”وہ سب سے عظیم عیسائی درویش کا نمونہ تھے۔“

(اے شارٹ ہسٹری آف آوریجن، ص ۱۳۵، ۱۳۶)

چھٹی صدی عیسوی میں اس ترک دنیا بلکہ نفرت دنیا میں کمی ہوئی اور عیسائی رہبان جنگلوں اور پہاڑوں کے بجائے ایک جگہ خانقاہ بنا کر رہنے لگے لیکن دنیا سے بے التفاتی ہنوز قائم رہی، اور یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے آغاز تک کسی نہ کسی صورت میں اس کا سلسلہ جاری رہا۔

عیسائیوں کے تصور عبادت کی مذکورہ خرابیوں میں اب کافی کمی آگئی ہے، رہبانیت کے اعمال و مظاہر تقریباً معدوم ہو چکے ہیں۔ لیکن شرک آج بھی باقی ہے۔ عیسائی قوم اپنی تمام سائنسی فتوحات اور روشن دماغی کے باوجود مذہبی معاملے بالخصوص عقیدہ توحید کے باب میں کل ہی طرح آج بھی اپنی سابقہ طفلانہ روش پر قائم ہے، یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے اور اس دنیا کے لارڈ (رب) ہیں۔

دیگر مذاہب کی طرح عیسائی مذہب میں بھی خرابیوں کی امداد و اعانت کو ایک بڑی نیکی خیال کیا جاتا ہے۔ ابتدا میں رہبانیت کے فروغ کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ ہو سکی لیکن رہبانیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس تصور نے کافی ترقی کی اور آج اس پہلو سے عیسائی قوم جملہ اقوام عالم سے آگے ہے۔ آج دنیا کے جس ملک میں بھی طوفان، زلزلہ، قحط، وبائی امراض اور خانہ جنگی جیسے واقعات پیش آتے ہیں وہاں عیسائیوں کی مختلف تنظیمیں آفت رسیدوں کی مدد کے لیے پہنچ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ملکوں میں عیسائی مشنریوں نے شفاخانے قائم کیے ہیں جہاں پوری لگن کے ساتھ غریبوں اور محتاجوں کو طبی امداد مہیا کی جاتی ہے۔ مدرٹریا کی خدمات سے کون انسانیت نواز واقف نہ ہوگا۔

عیسائیوں کے اس طرز عمل کی تفہیم انجیل میں بیان کردہ ایک روایت سے ہوتی ہے۔ ایک بار یہودی علماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بغرض امتحان آئے اور پوچھا کہ اے استاد! تورات کی اولین اور اہم تعلیم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے پورے دل اور پوری جان سے خدا سے محبت رکھ اور اسی طرح پورے دل اور پوری جان سے اپنے پڑوسی سے محبت رکھ^{۱۵}۔ عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کی اس سادہ تعلیم کو حرز جان بنا لیا بالخصوص اس کے دوسرے جز یعنی

۱۵ متی، باب ۲۲: ۳۶ تا ۴۰)

خدمت خلق کو۔ آج یہی ایک چیز ان کے مذہب کا طغرائے (طرہ) امتیاز ہے۔
دنیا کے تین اہم مذاہب کے تصور عبادت کی توضیح کے بعد اب ہم اسلام کے تصور عبادت کی شرح و تفصیل کریں گے۔

اسلام میں عبادت

اسلام کے تصور عبادت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے لفظ عبادت کے معنی و مفہوم کو، جو عربی زبان ہی کا ایک لفظ ہے، ذہن نشین کر لیں۔ عبادت کے لغوی معنی انتہائی عجز و تذلل کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں:
”عبودیت کے معنی اظہار فروتنی کے ہیں اور عبادت کے معنی اس سے بھی ایک درجہ آگے یعنی غایت درجہ فروتنی کے ہیں۔ اس کی مستحق صرف وہ ذات ہے جس کی مہربانیاں بے پایاں ہیں۔ اسی لیے ارشاد ہوا ہے: ان لا تعبدوا الا ایاہ“ ”صرف اسی کی عبادت کرو۔“ (مفردات راغب، بذیل مادہ ”عبد“)
معروف عربی لغت لسان العرب میں ہے:
”عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔ عبد الطاعت یعنی اس نے طاعت کی اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ایسا کہ نعبد، یعنی ہم تیری ہی عاجزانہ اطاعت کرتے ہیں۔ اور لغت میں عبادت کے معنی اطاعت مع الخضوع ہیں چنانچہ وہ راستہ جو آمدورفت کی کثرت سے پامال ہو گیا ہو طریق معبد کہلاتا ہے۔“
(لسان العرب، ج ۳، ص ۲۷۲)

تاج العروس میں ہے:

”لغت میں عبادت کے معنی اطاعت مع الخضوع کے ہیں۔“ (تاج العروس، ج ۲، ص ۴۱)

مفسرین نے بھی عبادت کے یہی معنی لکھے ہیں۔ امام طبری فرماتے ہیں:

”جملہ اہل عرب کے نزدیک عبودیت کی اصل ذلت ہے اور اسی لیے وہ راستہ جو مسافروں کی آمدورفت کی کثرت سے پست و پامال ہو چکا ہو طریق معبد کہلاتا ہے۔ طرفہ کا شعر ہے:

تباری عناقاً ناجیات، واتبعت

وظیفاً وظیفاً فوق مور معبد

(وہ تیز رفتار گھوڑیوں کا مقابلہ کرتی ہے اور ایک بیر پر کے پیچھے اور دوسرا بیر پامال راستے پر کھتی چلی جاتی ہے۔)

اس شعر میں مور معبد سے مراد طریق معبد یعنی پامال راہ ہے۔ اور اسی طرح وہ اونٹ جسے سواری کے لیے رام کیا جا

نقطہ نظر

چکا ہو بعیر معبد کہلاتا ہے۔ عبد کو بھی اسی وجہ سے عبد یعنی غلام کہتے ہیں کہ وہ اپنے آقا کا مطیع و منقاد ہوتا ہے۔ اشعار عرب میں اس کے ثوابد اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔“ (تفسیر طبری، ج ۱، ص ۱۶۱)

صاحب کشف لکھتے ہیں:

”عبادت نام ہے غایت درجہ خضوع و تذلل کا اور اسی لیے اس لفظ کا استعمال صرف اللہ کے سامنے خضوع کے لیے خاص ہے کیونکہ وہی آقا اور منعم حقیقی ہے اس لیے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے آگے خضوع و تذلل کا اظہار کیا جائے۔“ (الکشاف، ج ۱، ص ۹)

علامہ علاء الدین رقم طراز ہیں:

”عبادت انتہائی جھکاؤ اور پستی کا نام ہے (اعبادۃ اقصیٰ غایۃ الخضوع و التذلل) غلام کو اسی لیے عبد کہتے ہیں کہ وہ بالکل جھکا ہوا اور مطیع ہوتا ہے۔“ (تفسیر خازن مع البغوی، ج ۱، ص ۱۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

”لغت میں عبادت کے معنی ذلت کے ہیں۔“ (تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۵)

مفسرین اور اہل لغت کی اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ عبادت میں ذلت اور خضوع کا مفہوم نمایاں ہے۔ لیکن ان کے معنی میں تھوڑا فرق ہے۔ صاحب کسان نے ذلت کے مفہوم کی وضاحت میں لکھا ہے:

”ذلت، قوت و شوکت اور غلبہ کی ضد ہے۔ اس کے معنی کمزوری، در ماندگی اور مغلوبیت کے ہیں۔ الذل بالکسر کے معنی نرمی اور سہولت کے ہیں۔ یہ صعوبت کی ضد ہے الذل بالضم (ضمہ کے ساتھ ذل) بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ ذلیل اور ذلول صفت کے طور پر آتا ہے۔ ذلول کا استعمال غیر ذوی العقول کے ساتھ مخصوص ہے اور ذلت انسان کے لیے۔ ذلت الدابة کا مطلب ہے کہ جانور سواری کے لیے رام ہو گیا۔ فرس ذلول اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو سرکشی چھوڑ کر مطیع ہو گیا ہو، جس پر سواری آسان ہو گئی ہو۔ طریق ذلیل اور طریق بذل اس راستے کو کہتے ہیں جو پامال ہو کر ہموار ہو گیا ہو۔ ذلت القوافی للشاعر کا مطلب ہے کہ شاعر کو قوافی پر پوری قدرت اور غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔ تذلل کے معنی کمزور ہونا، مغلوب ہونا اور مطیع ہونا ہے۔“

(لسان العرب، بذیل مادہ ”ذل“۔ مزید دیکھیں، المصباح المنیر للاحمد بن محمد)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ذلت اور تذلل کا مفہوم ہے سرکشی اور مزاحمت چھوڑ کر مغلوب اور تابع ہو جانا اس طرح کہ جو مغلوب ہو اس کے ظاہر و باطن سے پستی اور کمزوری ظاہر ہو۔ اسی لیے طریق ذلیل یا بذل اس راستے کو کہتے ہیں جو اس طرح پست و پامال ہو چکا ہو کہ اس پر چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور چلنے والا نہایت آسانی سے کسی

ادنیٰ رکاوٹ کے بغیر اس سے گزر جائے۔ اس قسم کے راستوں کی ظاہری صورت ان کی پستی اور مغلوبیت کی تصویر ہوتی ہے۔ اسی طرح ”فرس ذلول“ کے معنی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس گھوڑے کے ہیں جس پر سواری آسان ہو، دوسرے لفظوں میں سواری کے بغیر اس پر سواری کر سکے اور اس کی حرکات و سکنات سے صاف ظاہر ہو کہ وہ سواری کے لیے بالکل پست و مغلوب ہو چکا ہے، اس کے اندر سرکشی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔

خضوع کے معنی جھکنے کے ہیں۔ خضوعہ الکبر و اخضوعہ، یعنی بڑھاپے نے اس کی کمر جھکا دی۔ ”انعام انضع“ وہ شتر مرغ ہے جس کی گردن چرنے میں زمین تک جھک جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خضوع کا لفظ جو ارج یعنی سر، گردن اور جسم کے جھکنے کے لیے آتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ کسی کو سر جھکا کر نماز پڑھتے دیکھتے تو گردن اٹھا دیتے اور فرماتے ”لیس الخضوع فی الركاب“ (خضوع گردن میں نہیں ہے) اور پھر دل کی طرف اشارہ کرتے کہ ”ہینا“ (یہاں ہے)۔ اسی لیے خضوع کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو اپنا سر اور گردن مغلوب اور کمزور ہونے کی وجہ سے جھکا لے (الخضوع، المطاطی رأسه و عنقه للذل والاستكانة)

معلوم ہوا کہ خضوع کا لفظ اپنے اندر مغلوبیت کا جو پہلو رکھتا ہے اس میں ظاہر بدن کی مغلوبیت نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے یہ اطاعت و انقیاد کے معنی میں زیادہ مستعمل ہے۔ لسان العرب میں ہے: الخضوع الانقياد و المطاوعة، لیکن اسی اطاعت و انقیاد پر خضوع کا اطلاق ہوگا جو رضا و رغبت کے ساتھ ہو۔ اسی لیے صاحب لسان نے خضوع کی تشریح میں انقیاد کے ساتھ مطاوعت (برضا اطاعت) کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن کبھی یہ جبری اطاعت کے لیے بھی آتا ہے۔^{۱۶}

یہاں یہ بات فراموش نہ ہو کہ عبادت کے لغوی معنی میں پرستش کا مفہوم بھی شامل ہے۔ تعبد کے معنی تنسک کے ہیں یعنی گوشہ گیر ہو کر کسی برتر ہستی کی یاد اور اس کی تعظیم میں مشغول ہونا۔ متعبد وہ شخص ہے جو عبادت کے لیے گوشہ گیر ہو جائے۔ ”عبد بہ“ کا مطلب ہے: ”للمزمہ فلم يفارقه“، یعنی اس سے وابستہ ہو گیا اور جدا نہ ہوا۔ متعبد کے معنی جہاں منقاد کے ہیں وہاں اس کے معنی معبود کے بھی ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

تقول لا تبقي عليك فانسي اري المال عند المسكين معبدا

”میری بیوی ملامت کرتی ہے کہ نمود و دہش میں تو اپنا بھی خیال نہیں رکھتا۔ میں تو دیکھتی ہوں کہ مال بخیلوں کے

یہاں پوجا جاتا ہے۔“

^{۱۶} تفصیل کے لیے دیکھیں، لسان العرب، ج ۹، ص ۴۲۵-۴۲۷۔

قرآنی مفہوم

قرآن مجید کی بکثرت آیات میں عبادات اور اس کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے اور اس سے اس کا واقعی مفہوم بالکل متعین ہو جاتا ہے، یعنی اطاعت مع الخضوع۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَ نِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورہ مؤمن ۶۶)

”اے نبی، ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو (میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس روشن دلائل آچکے ہیں۔ اور مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں رب کائنات کے

آگے اپنا سر جھکا دوں۔“

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهُهُمْ وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ. (سورہ بقرہ ۱۳۳)

”انہوں نے کہا، کیا ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو تمہارا معبود ہے اور ہم اسی کے مطیع و فرمان بردار ہوں گے۔“

مذکورہ دونوں آیتوں میں اُسْلِمَ اور مُسْلِمُونَ کے الفاظ دراصل اَعْبُدُ اور نَعْبُدُ کی معنوی وضاحت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ لغت میں اسلام کا معنی اطاعت و فرمان برداری کے ہیں۔ بعض مقامات پر عبادت کے اس مفہوم کو کھول دیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

فَقَالُوا انزُومِن لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ. (سورہ مومن ۴۷)

”انہوں نے کہا، کیا ہم لوگ اپنے ہی جیسے دو آدمیوں کی بات مان لیں گے حالانکہ ان کی قوم (یعنی بنی اسرائیل) ہماری مطیع ہے۔“

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ

”اباجان، شیطان کی بندگی نہ کیجیے، بے شک شیطان

کے اس لفظ کے مادہ میں خود کو حوالہ کر دینے کا مفہوم غالب ہے اور یہیں سے اس میں اطاعت و فرمان برداری کے معنی پیدا ہوئے۔

كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا. (سورہ مریم ۴۴) نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے۔“
 آخری آیت میں شیطان کی عبادت کے معنی اس کی اطاعت و پیروی کے ہیں۔ اس لیے کہ معروف معنی میں
 شیطان کی پرستش کوئی آدمی بھی نہیں کرتا ہے۔ آیت میں ”عَصِيًّا“ کا لفظ بھی اس معنی کی طرف رہبری کرتا ہے جس
 کے معنی نافرمان کے ہیں۔ مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں عبادت کے معنی اطاعت ہی کے لکھے ہیں۔ علامہ ابن
 کثیرؒ لکھتے ہیں:

لا تعبد الشيطان اى لا تطعه فى عبادة هذه الاصنام. (تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۲۳) کرنے میں اس کی اطاعت نہ کرو۔“
 علامہ نسفیؒ لکھتے ہیں:

اى لا تطعه فيما سول من عبادة الصنم. (مدارک التنزیل، ج ۳، ص ۳۶، ۳۷) ”یعنی ان بتوں کی پوجا کرنے کی گمراہی میں اس کی
 علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اى لا تطعه فيما يامرک من الکفر و من اطاع شيئاً فى معصية فقد عبده. (تفسیر قرطبی، ج ۱۱، ص ۱۱۱، مزید دیکھیں، فتح القدير (شوکانی)،
 ج ۳، ص ۳۲۲) ”جس کفر کا یہ تجھے علم دیتا ہے اس میں اس کی بات نہ مان، اور جس نے نافرمانی میں کسی کی ادنیٰ اطاعت
 بھی کی تو گویا اس نے اس کی عبادت کی۔“

اس سلسلے میں قرآن مجید کی ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ. (سورہ سبأ ۴۱) ”بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔“

اس آیت میں بھی عبادت کے معنی جنوں کی اطاعت کے ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

بل كانوا يعبدون الجن اى يطيعون الشياطين فى عبادتهم. (زاد المسیر ج ۶، ص ۳۶۴، مزید دیکھیں، معالم التنزیل، بغوی، علی
 هامشہ و فی النسفتی، ج ۳، ص ۳۲۸)

یہ آیت بھی قابل ملاحظہ ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِي اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا ”اے بنی آدم، کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا

الشَّيْطَانِ. (سورہ یس ۶۰) کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کرو گے۔“

اس آیت میں بھی شیطان کی عبادت کے معنی اس کی اطاعت کے ہیں۔ ابن جوزیؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

الم اعهد اليكم اى الم امركم، الم او صكم، ولا تعبدوا بمعنى لا تطيعوا، الشيطان هو ابليس زين لهم الشرك فاطاعوه. (زاد المسير ج ۷، ص ۳۰)

”کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا یعنی میں نے تمہیں حکم نہیں دیا، کیا تمہیں وصیت نہیں کی۔ اور لا تعبدوا، بمعنی لا تطيعوا، ہے یعنی اطاعت نہ کرو۔ شیطان سے مراد ابلیس ہے جس نے ان کے لیے شرک کو مزین کیا پس انھوں نے اس کی اطاعت کی۔“

معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں عبادت کا لفظ واضح طور پر اطاعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ہر اطاعت کو عبادت نہیں کہیں گے۔ عبادت کا اطلاق صرف اس حالت پر ہوگا جس میں سر کے ساتھ دل بھی پوری طرح جھکا ہوا ہو، یعنی برضا و رغبت تابع داری اور سرفاقتگی۔ اس کے برخلاف صورت کو قرآن مجید نے استکبار سے تعبیر کیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِي وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيَّ جَمِيعًا (سورہ نساہ ۱۲۴)

”اور جو شخص اس کی عبادت (یعنی اطاعت و بندگی) کو اپنے لیے عار سمجھے گا اور استکبار کرے گا تو وہ (ایک دن) سب کو اپنے پاس جمع کرے گا (اور اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کبر یائی کے لائق کون ہے)۔“

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ. (سورہ نحل ۴۹)

”آسمانوں اور زمین کی تمام ذی حیات مخلوقات اور فرشتے سب اللہ کے آگے سر بسجود ہیں اور وہ استکبار نہیں کرتے۔“

اس آخری آیت میں سجدہ کے لفظ نے استکبار کے معنی کو بالکل متعین کر دیا ہے یعنی خدا کے بالمقابل اپنی ہستی کو بڑا سمجھنا اور اس کے سامنے سر اطاعت جھکانے سے اعراض کرنا، اس لیے لازماً عبادت کے معنی ہوئے، خدا کے بالمقابل اپنی ہستی کو حقیر ترین سمجھنا اور اس کے آگے سر اطاعت خم کرنا۔ لیکن عبادت میں جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا، اطاعت مع الخضوع یعنی برضا و رغبت تابع داری کا مفہوم غالب ہے۔

حقیقت عبادت

عبادت کے مذکورہ بالا لغوی اور قرآنی مفہوم کی روشنی میں دیکھیں تو اسلام میں عبادت کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اس کائنات کی ہر چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی خدا کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی کر رہی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ”آسمانوں اور زمین میں جو بھی زندہ وجود ہے وہ اس طوعاً و کرہاً۔ (آل عمران ۸۳) کے آگے، خواہ خوشی سے اور خواہ جبر سے، سرگندہ ہے۔“

جبری اطاعت کا قانون پوری کائنات میں نافذ ہے۔ اس قانون سے انسان کی تکوینی زندگی بھی مستثنیٰ نہیں ہے لیکن اس کی تمدنی اور اخلاقی زندگی اس جبری اطاعت سے آزاد ہے۔ زندگی کے اسی حصے کو اپنی خوشی سے خدا کی مرضی کے تابع کر دینا حقیقی معنی میں عبادت ہے، اور یہی اسلام کی حقیقت بھی ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهاً وَاحِداً وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ. (سورہ بقرہ ۱۶۳) ”انہوں نے کہا، ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا اور یہی انسان کی غایت تخلیق بھی ہے: عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہوں گے۔“

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون. (سورہ ذاریات ۵۶) ”ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“

اس آیت میں جس عبادت کو انسان کی غایت تخلیق کہا گیا ہے وہ دل کی کامل رضا و رغبت کے ساتھ خدا کی فرماں برداری ہے۔ اسلام میں ایک عبادت گزار سے جہاں یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے اعضاء و جوارح سے خدا کے سامنے عجز و تذلل کا اظہار کرے، جسے عرف عام میں پرستش سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہاں اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ معاملات زندگی میں دل کی مکمل رضا کے ساتھ ہی المقدور خدا کی فرماں برداری کرے اور اس کی نافرمانی سے بچے۔ بندے کے اس عبادت روئے کا نام قرآن مجید کی زبان میں تقویٰ ہے۔ عبادت اور تقویٰ میں گہرا رشتہ ہے۔

[باقی]